رضوان اللہ

البیان: خصائص و امتیازات

(۷)

۸۔ تأصیل اور تفریع

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قرآن میں بعض احکام یا واقعات کو بیان کیا جاتا اور پھر چند جملوں میں ان سب باتوں کو ایک اصل سے متعلق کر دیا جاتا ہے۔ اسے تأصیل کا اسلوب کہتے ہیں۔ اسی طرح کچھ حقائق کو بیان کرتے ہوئے اُن پر کچھ باتیں متفرع کی جاتی ہیں۔ اسے تفریع کا اسلوب کہا جاتا ہے۔ اول الذکر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بات تخصیص اور تعیین میں مقید نہیں رہتی، بلکہ اپنی ذات میں ایک طرح سے اصولی بھی ہو جاتی ہے۔ ثانی الذکر کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بات اپنے اِطلاقات میں خوب واضح ہو جاتی اور اصولوں کا اطلاق دیگر احوال پر کس طرح سے ہونا چاہیے، قاری کی اس معاملے میں بھی اچھی تربیت ہو جاتی ہے۔ تأصیل کی مثال میں یہ آیت دیکھ لی جا سکتی ہے:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (الحشر ۵۹: ۷)	”اور رسول (کا منصب یہی ہے کہ) جو تمھیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے روکے، اُس سے رک جاؤ۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک، اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے۔“

غزوۂ بنو نضیر میں کھجور کے بعض مثمر درختوں کو کاٹا گیا تو یہود کی طرف سے اس پر اعتراض اٹھا دیا گیا۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب اللہ کے حکم سے کیا گیا ہے۔ بعد میں بنو نضیر کے متروکہ اموال کی تقسیم کا معاملہ در پیش ہوا تو اس پر منافقین کی طرف سے سوالات اٹھا دیے گئے۔ ان کے جواب میں فرمایا ہے کہ یہ تمام اموال

اللہ اور اس کے رسول کے ہیں اور بعض اجتماعی ضرورتوں کے لیے خاص کر لیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس ساری صورت حال میں ایک اصول کے طور پر فرمایا ہے کہ رسول جو تمھیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے روکے، اُس سے رک جاؤ۔ اس آیت کی یہی اصولی حیثیت ہے کہ البیان میں اسے واضح کرنے کے لیے آیت کے شروع میں یہ الفاظ لائے گئے ہیں: ''اور رسول (کا منصب یہی ہے کہ)''۔[۳۲]

تفریع کے لیے ذیل کی آیت میں ایک اچھی مثال ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ. (التوبہ ۹: ۱-۲)

''اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں کے لیے اعلان براءت ہے جن سے تم لوگوں نے معاہدے کیے تھے۔ سو، (اے مشرکین عرب)، اب اس ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔''

اس آیت میں خدا کی طرف سے مشرکین کے لیے براءت کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ براءت وہ اصول ہے جس پر اگلی آیات میں بعض احکام کی تفریع ہوئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ ان میں سے جنھوں نے معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے، اُنھیں چار مہینے کی مہلت دے دی جائے اور جنھوں نے اِن کی پاس داری کی ہے، اُن کی مدت معاہدہ ختم ہو جانے کے بعد اُن سے لاتعلقی کا اظہار کر دیا جائے۔ اس کے بعد فرمایا ہے کہ جب حرام مہینے گزر جائیں تو یہ مشرکین جہاں ملیں، اُنھیں قتل کر دیا جائے۔ البیان کے ترجمے میں تفریع کے اسی ربط کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ دوسری آیت سے ترجمہ ''سو'' کے لفظ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے۔

۹۔ تشابہ

قرآن کا یہ عام انداز ہے کہ بعض اغراض کے پیش نظر ایک بات سے دوسری بات پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس دوسری بات کا موقع اگر لفظی مناسبت سے یا مضمون کی مشابہت سے پیدا ہو تو اسے تشابہ کا اسلوب کہتے ہیں۔ گویا یہ کسی قدرِ مشترک کی بنیاد پر بظاہر دو مختلف باتوں کو آپس میں مربوط کر دینے کا ایک اسلوب ہے۔ لفظی مناسبت کی وجہ سے تشابہ کے آنے کی مثال میں ذیل کی آیت دیکھ لی جا سکتی ہے:

۳۲۔ قرآن میں اس اسلوب کی اور بھی کئی اچھی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ 'وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ' اور 'اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا' (النساء ۴: ۲۲، ۶۴)۔

وَعَلَيۡهَا وَعَلَى الۡفُلۡكِ تُحۡمَلُوۡنَ. وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ. (المومنون ۲۳: ۲۲-۲۳)

''اور اِن پر اور کشتیوں پر (جو سمندر میں چلتی ہیں)، سوار بھی کیے جاتے ہو۔ (اور وہ کشتی بھی یاد ہے جس میں طوفان سے نکلے تھے)؟ ہم نے نوح کو اُس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا تو اُس نے دعوت دی کہ میری قوم کے لوگو، اللہ کی بندگی کرو۔ اُس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے۔''

پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنی ربوبیت کے انتظام کی کچھ مثالیں دی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے ہماری سواری کے لیے خشکی پر جانوروں کا اور پانی کے اندر کشتی کا انتظام کیا ہے۔ کشتی کا ذکر کرنے کے بعد جب اس مدعا پر واقعاتی شہادتیں پیش کرنا شروع کی ہیں تو حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ اس میں کشتی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ تشابہ کا اسلوب ہے اور البیان میں اس کی وضاحت کے لیے مذکورہ آیت کے ترجمے سے پہلے قوسین کے اندر ربط کے یہ الفاظ لکھ دیے گئے ہیں: ''اور وہ کشتی بھی یاد ہے جس میں طوفان سے نکلے تھے۔''

مضمون کی مناسبت سے تشابہ کے آجانے کی مثال اس آیت میں موجود ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ. (البقرہ ۲: ۸)

''اور اِنھی لوگوں میں وہ (منافقین) بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو مانا ہے اور قیامت کے دن کو مانا ہے، دراں حالیکہ وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں مانتے۔''

پچھلی آیات میں قرآن کی دعوت کے مقابلے میں پیدا ہو جانے والے دو انتہائی گروہوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ ہیں جو سچے دل سے اس پر ایمان لا رہے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جنھوں نے ہٹ دھرمی اور اصرار کے ساتھ اس کا انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس کے بعد جرم کی مناسبت سے اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو بعض پہلوؤں سے دوسرے گروہ سے مختلف ضرور ہیں، مگر انکار کی روش میں بہر حال انھی سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو زیر نظر آیت تشابہ کے طریق ہی پر پچھلے کلام سے مربوط ہوئی ہے، چنانچہ البیان میں اس ربط کو نمایاں کرنے کے لیے آیت کے شروع کا ترجمہ ''اور انھی لوگوں میں وہ (منافقین) بھی ہیں'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

۱۰۔ اِتمام

قرآن میں کسی موضوع پر مناسب حد تک بات ہو جانے کے بعد بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ اُس سے جڑی ہوئی دیگر چیزوں کو بھی زیر بحث لے آیا جاتا ہے اور اس طرح اُس موضوع کو گویا ایک تکمیلی رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہ اِتمام کا اسلوب ہے اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ ذیل کا مقام تو اس کی نہایت خوب صورت مثال ہے:

وَلَا تَجۡعَلُوا اللّٰهَ عُرۡضَةً لِّاَيۡمَانِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡا وَتَتَّقُوۡا وَتُصۡلِحُوۡا بَيۡنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ. (البقرہ۲: ۲۲۴)

”(عورتوں سے متعلق بعض دوسرے معاملات بھی ہیں، اِنھیں بھی سمجھ لو) اور اپنی قسموں کے لیے اللہ کے نام کو دوسروں سے حسن سلوک اور حدود الٰہی کی رعایت کرنے اور لوگوں کے مابین صلح کرانے میں رکاوٹ نہ بناؤ اور (متنبہ رہو کہ) اللہ سمیع و علیم ہے۔“

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس سلسلۂ کلام میں بنیادی طور پر جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہوا ہے۔ ان کے تعلق سے بعض سوالات شراب اور جوے اور پھر نکاح اور مباشرت کے بارے میں پیدا ہوئے تو ان سب کا تفصیل سے جواب دیا گیا اور اس معاملے میں کوئی کسر نہ رہ گئی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ زیر نظر آیت سے نکاح کے اس مضمون کا اِتمام یوں کیا گیا کہ طلاق، اُس کا طریقہ، اُس کی عدت، بعد از طلاق امور، حتیٰ کہ شوہر کی وفات کے بعد بیوہ کی عدت اور اس کے ساتھ نکاح کے معاملات، یہ سب بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ پچھلی آیات سے اِتمام کا یہ ربط چونکہ زیر نظر آیت سے شروع ہو رہا ہے، اس لیے البیان میں ضروری سمجھا گیا ہے کہ اس کے شروع میں قوسین کے اندر یہ الفاظ بھی لکھ دیے جائیں: ”عورتوں سے متعلق بعض دوسرے معاملات بھی ہیں، اِنھیں بھی سمجھ لو۔“

محذوفات

قرآن کے اسالیب میں روابط کے بعد سب سے اہم اسلوب اس کے محذوفات ہیں کہ اس کی عربی میں ایجاز و اختصار کے پیش نظر بہت سے الفاظ حذف کر دیے جاتے ہیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ کلام میں حسن و لطافت پیدا ہوتی اور بلاغت کے ساتھ ساتھ اُس کی تاثیر بھی بے انتہا بڑھ جاتی ہے۔ حذف کے یہ فوائد سب کے ہاں معلوم اور مسلم ہیں، مگر عام قارئین کے لیے ہر مقام پر اس کے وقوع اور اس کی نوعیت کا اِدراک

کر لینا بہر حال کوئی آسان امر نہیں ہے۔ چنانچہ مترجم کے لیے لازم ہے کہ وہ تفہیم مدعا کی غرض سے جہاں مناسب ہو، ان محذوفات کو کھول کر بیان کر دے۔ ہم البیان میں سے اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

۱۔ حروف

قرآن میں بہت سے مقامات پر حروف کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ جر دینے والے حروف بھی ہوتے ہیں اور ندا کے لیے استعمال ہونے والے حروف بھی:

فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ. (الشعراء ۲۶: ۱۶-۱۷)

”سو دونوں (بغیر کسی تردد کے) فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم خداوند عالم کے رسول ہیں اور اِس لیے آئے ہیں کہ تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے دو۔“

اس آیت میں آنے والے ’اَنْ‘ کے معاملے میں مترجمین نے عام طور پر دو طریقے اختیار کیے ہیں: اس کا ترجمہ ”کہ“ سے کیا ہے، مگر اس سے ان دو فقروں کا باہمی تعلق کسی طرح بھی واضح نہیں ہو پاتا۔ یعنی، اب ترجمہ یہ بنتا ہے: تم فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العٰلمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو روانہ کر دے۔ بعض مترجمین نے اس تعلق کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ اس بات پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ’رَسُوْل‘ کا ترجمہ ”پیغام لانے والا“ کرنے کے بجاے ”پیغام لانا“ کریں۔ یعنی، تم فرعون کے پاس جا کر کہو کہ ہم رب العٰلمین کا پیغام لائے ہیں کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ ان دو ترجموں کے برعکس، البیان میں قرآن کی زبان کی رعایت سے ’اَنْ اَرْسِلْ‘ سے پہلے حرف ”ب“ کو محذوف مانا گیا اور اسے بیان کرنے کے لیے یہ الفاظ لائے گئے ہیں: ”اور اس لیے آئے ہیں کہ“۔ دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس سے مذکورہ ترجمے میں پیدا ہو جانے والی تمام اُلجھنیں آپ سے آپ ختم ہو گئی ہیں۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۜ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ. (یوسف ۱۲: ۲۹)

”یوسف، اس بات کو جانے دو اور اے عورت، تو اپنے گناہ کی معافی مانگ، اصل میں تو ہی خطاکار ہے۔“

اس آیت کے پہلے جملے میں یوسف کے ساتھ ایک حرفِ ندا محذوف ہے اور دوسرے جملے میں حرف ندا اپنے منادی سمیت محذوف ہے۔ البیان کے ترجمے میں پہلے حذف کو عربی ہی کی طرح لفظوں میں تو نہیں لکھا

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

گیا، مگر علامت کے طور پر اس کے بعد قومہ استعمال کر لیا گیا ہے اور دوسرے حذف کو "اے عورت" کے لفظوں میں صریح طور پر بیان کر دیا گیا ہے۔

۲۔ الفاظ

قرآن میں الفاظ کو بھی بعض اوقات حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ فعل بھی ہوتے ہیں اور اسم بھی۔ پھر فعل میں سے یہ ماضی، مضارع، ناقص اور امر کی صورت میں ہوتے ہیں تو اسم میں سے مضاف اور موصوف وغیرہ کی صورت میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ہم پہلے افعال کی اور اس کے بعد اسما کی چند مثالیں عرض کریں گے:

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ. (سبا ۳۴: ۲۱)

"حقیقت یہ ہے کہ ابلیس کو اُن پر کوئی اختیار نہیں تھا۔ ہم نے یہ مہلت اُس کو دی تو صرف اِس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اُن لوگوں سے الگ معلوم کر لیں جو اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔"

بعض مترجمین نے اس آیت میں کوئی حذف نہیں مانا۔ اس سے اُن کا بیان کردہ ترجمہ آیت کا اصل مدعا بیان کرنے سے بالکل قاصر رہ گیا ہے۔ اُن کے مطابق ترجمہ یہ بنتا ہے: "شیطان کا اُن پر کوئی زور نہ تھا، مگر اس لیے کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ظاہر کریں اُن لوگوں میں سے جو اس سے شک میں ہیں۔" اس کے مقابلے میں بعض مترجمین نے یہاں ایک محذوف تو مانا ہے، مگر وہ محذوف ایسا ہے کہ اس کے نتیجے میں ایک واضح حقیقت اور آیت کے اصل مفہوم سے صرف نظر ہو گیا ہے۔ ان کا ترجمہ یہ بنتا ہے: "ابلیس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا، مگر اس قدر کہ ہم اُن لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اُن لوگوں سے الگ کر لیں جو اس کی طرف سے شک میں ہیں۔" گویا اُن کے ترجمے کے مطابق شیطان کو لوگوں پر کچھ نہ کچھ زور بہر حال دیا گیا ہے۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ شیطان کو اُن لوگوں پر ایک طرح کا زور ضرور حاصل ہو جاتا ہے جو اُس کی پیروی کرتے اور اس طرح اپنی باگ اُس کے ہاتھ میں تھما دیتے ہیں، مگر خدا کی طرف سے اُسے اس طرح کی کوئی طاقت ہرگز نہیں دی گئی، اور آیت میں 'سُلْطٰن' کی تنوین اور اس پر آنے والے 'مِنْ' کی تاکید بھی یہی بات بیان کر رہی ہے۔ چنانچہ البیان میں 'سُلْطٰن' اور 'اِلَّا' کے درمیان میں 'وما أمهلته' کا ایک مناسب فعل محذوف مان کر ترجمہ کیا گیا ہے اور دیکھ لیا جا سکتا ہے کہ اس سے آیت کا اصل مفہوم بھی کھل گیا ہے اور اس کے نتیجے میں کوئی

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

مذکورہ مسئلہ بھی سرے سے پیدا نہیں ہوا۔

ذیل کی آیت بھی اس کی ایک اچھی مثال ہے جس میں اس سے پچھلی آیت 'قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ' کی روشنی میں ایک فعل 'جاءت' نکالا گیا ہے اور اس سے آیت کا ترجمہ ہر طرح کے تکلف اور کسی بھی ابہام سے بالکل پاک ہو گیا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا. (یونس ۱۰:۵۸)

''انھیں بتاؤ، (اے پیغمبر)، یہ اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت سے آئی ہے۔ سو چاہیے کہ اِس پر وہ خوشی منائیں۔''

بہت سی آیات میں فعل امر کے صیغے بھی حذف کر دیے گئے ہیں، جیسا کہ اس آیت میں:

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (البقرہ ۲:۱۳۵)

''اور اِدھر اِن کا اصرار ہے کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے۔ اِن سے کہہ دو، بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو جو (اپنے پروردگار کے لیے) بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بعض مترجمین نے کسی حذف کو نہ مانتے ہوئے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ اس لیے درست نہیں ہے کہ 'مِلَّةَ' کا نصب واضح طور پر کسی نہ کسی عامل کا تقاضا کر رہا ہے۔ بعض مترجمین نے فعل مضارع کی صورت میں ایک عامل یہاں مانا تو ہے، مگر وہ اس سیاق میں کچھ زیادہ مناسب دکھائی نہیں دیتا۔ اس لیے کہ یہود و نصاریٰ کی دعوت کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دعوت ہی کا بیان زیادہ موزوں ٹھیرتا ہے نہ کہ مضارع کی صورت میں عقیدے کے کسی بیان کا۔ مزید یہ کہ اگلی آیت میں مسلمانوں کے اپنے عقیدے کا بیان الگ سے آ بھی گیا ہے، اس لیے یہاں مضارع کو محذوف مان کر اسے بھی عقیدے کا بیان بنا لیا جائے تو یہ ایک طرح کی تکرار محسوس ہوتا ہے۔ یہی وجوہ ہیں کہ البیان میں 'قُلْ' کے بعد 'اتبعوا' کا فعل امر محذوف مان کر ترجمہ کیا گیا ہے: ''ان سے کہہ دو، بلکہ ابراہیم کا دین اختیار کرو۔''

قدیم عربی میں افعال کی طرح بعض اوقات افعال ناقصہ کے صیغے بھی حذف کر دیے جاتے ہیں۔ یہ مضارع سے پہلے حذف کیے جاتے ہیں اور قرآن میں ان کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ اس آیت میں:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا. (البقرہ ۲:۱۴۴)

''تمھارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھتے رہے ہیں، (اے پیغمبر)، سو ہم نے فیصلہ کر

لیا کہ تمھیں اُس قبلے کی طرف پھیر دیں جو تم کو
پسند ہے۔''

یہاں 'نَرٰی' سے پہلے فعل ناقص 'کنا' محذوف ہے، اس لیے اس کا ترجمہ ''ہم دیکھتے ہیں'' یا ''ہم دیکھ رہے ہیں'' کرنے کے بجاے ماضی استمرار میں کرنا ہی درست ہے، جیسا کہ البیان میں یہ کیا بھی گیا ہے: ''ہم دیکھتے رہے ہیں۔''

قرآن میں فعل کے حذف کا ایک خاص اسلوب بھی پایا جاتا ہے۔ کلام عرب میں سے اس کی مثال کے لیے 'علفته تبنًا وماء' اور 'قلدني سيفًا ورمحًا' وغیرہ کی ترکیبات کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کی ترکیبات میں دونوں مفعول ایک ہی فعل کے تحت نہیں ہوتے، بلکہ ان میں ایک اور فعل محذوف ہوتا ہے جسے دوسرے مفعول کی روشنی میں بہ آسانی سمجھ لیا جا سکتا ہے:

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ.(الحشر ۵۹:۹)

''جو لوگ اِس دیار کو اِن سے پہلے ٹھکانا بنائے ہوئے اور اپنا ایمان محکم کیے ہوئے ہیں، وہ اُن لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو (اُن کے بعد اب) ہجرت کر کے اُن کی طرف آرہے ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

اس آیت میں 'الدَّار' اور 'الْاِيْمَان' بظاہر ایک ہی فعل، یعنی 'تَبَوَّؤُ' کے دو مفعول دکھائی دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مترجمین نے عام طور پر اسی لحاظ سے آیت کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن بہ ادنیٰ تامل معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ عربی زبان کے اس خاص اسلوب سے چوک جانے کا نتیجہ ہے۔ یہاں اصل میں 'الْاِيْمَان' سے مناسبت رکھنے والا ایک فعل محذوف ہے۔ اس کی رعایت کی جائے تو پوری عبارت اب اس طرح ہو گی: 'تبوؤا الدار واحكموا الإيمان'۔ چنانچہ البیان میں اس فقرے کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: ''جو لوگ اس دیار کو ان سے پہلے ٹھکانا بنائے ہوئے اور اپنا ایمان محکم کیے ہوئے ہیں۔''

فعل کے بعد اب ہم اسم کے حذف کی طرف آتے ہیں۔ اس میں سے مضاف کا حذف سب سے زیادہ ہوتا ہے اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا.(الکہف ۱۸:۲۱)

''ذرا خیال کرو، جب اُن کے معاملے میں لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے تو کچھ لوگوں نے کہا: اِن کے غار پر ایک عمارت بنا دو۔''

اصحاب کہف کے واقعہ میں فرمایا ہے کہ جب لوگ ان کے بارے میں متنبہ ہو گئے تو اس کے بعد آپس میں بحث کرنے لگے۔ اس موقع پر کچھ لوگوں نے کہا: 'اِبْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا' (ان پر ایک عمارت بنا دو)۔ ظاہر ہے، یہ عمارت اُن کے جسموں پر نہیں، بلکہ ان کے غار پر بنانے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ گویا یہاں 'عَلَيْهِمْ' میں ایک مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں ہے: 'ابنوا علی كهفهم بنيانًا'۔

بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں صفت کو بیان کر دیا جاتا ہے، مگر وہ کس موصوف کی صفت ہے، اُس کا بیان نہیں کیا جاتا:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى. وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى. فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى. (اللیل ۹۲: ۵-۷)

''پھر جس نے (راہ خدا میں) دیا اور پرہیز گاری اختیار کی اور اچھے انجام کو سچ مانا، اُسے ہم سہج سہج راحت میں لے جائیں گے۔''

یہاں 'الْحُسْنٰى' صفت ہے اور اُس کا موصوف حذف کر دیا گیا ہے۔ خدا کی راہ میں انفاق کرنے کے مضمون کو اگر سامنے رکھیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ موصوف اصل میں 'العاقبة' ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انفاق کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ ریاکاری اور احسان جتلانے کے بجاے پرہیز گاری کے جذبے کے ساتھ ہو، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اُس سے مقصود دنیا کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ آخرت کا اچھا انجام ہو۔ البیان میں 'العاقبة' کو صفت 'الْحُسْنٰى' کا موصوف مان کر ان دونوں کا ترجمہ ''اچھے انجام'' کے الفاظ میں کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اس بحث کے آخر میں فاعل، مفعول، مصدر اور ظرف کی مثالیں بھی دیکھ لی جانی چاہییں۔ ذیل میں ہم نہایت اختصار کے ساتھ انھیں بیان کرتے ہیں:

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ. وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ. وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ. فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ. تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ. (الواقعہ ۵۶: ۸۳-۸۷)

''پھر تم کسی کے محکوم نہیں ہو تو اُس وقت جب مرنے والے کی جان حلق میں پہنچ جاتی ہے اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو، لیکن نہیں دیکھتے کہ اُس وقت تمھاری نسبت ہم اُس سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، پھر تم محکوم نہیں ہو تو اُس (کی نکلتی ہوئی) جان کو لوٹا کیوں نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو؟''

اس آیت میں 'بَلَغَتْ' کا فاعل 'النفس' ہے، مگر وہ لفظوں میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ البیان میں اسے "مرنے والے کی جان" کہتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى. اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى.(طٰہٰ ۲۰:۲-۳)

"ہم نے یہ قرآن تم پر اِس لیے نازل نہیں کیا ہے کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ۔ یہ تو صرف ایک یاددہانی ہے اُن کے لیے جو (بن دیکھے) اپنے پروردگار سے ڈریں۔"

یہاں 'يَخْشٰى' کا مفعول محذوف ہے جسے بیان کرنے کے لیے البیان میں "اپنے پروردگار" کے الفاظ لائے گئے ہیں۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا. ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا. (نوح ۷۱:۸-۹)

"پھر میں نے اِن کو کھلم کھلا دعوت دی۔ پھر ہانکے پکارے بلایا اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔"

اس آیت میں 'اَعْلَنْتُ' فعل کا مصدر 'إعلانًا' محذوف ہے اور مفعول مطلق کی حیثیت سے آیا ہے، چنانچہ البیان میں اس کے لیے "ہانکے پکارے بلایا" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ. (الاعراف ۷:۱۳۳)

"سو ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، ٹڈیاں، جوئیں اور مینڈک چھوڑ دیے اور خون برسایا۔ یہ سب نشانیاں تھیں، (بنی اسرائیل کے صحیفوں میں) جن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔"

یہاں 'مُفَصَّلٰت' کا ظرف 'في صحف بني إسرائيل' محذوف تھا جسے البیان میں بیان کر دیا گیا ہے۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com